

ایڈیٹر میر تقی میر علی احمدی

ایڈیٹر میر تقی میر علی احمدی

Digitized by Khilafat Library Rabwah

ریلوے میل سروس میں مسلمانوں پر ظلم و ستم

(五)

(۱) چونکہ سپرنٹنڈنٹ صاحب سمجھ میں۔ اس لئے دفتر کا تمام عملہ بند ہے :

(۲) جب سے سپرنٹنڈنٹ صاحب اس ڈویژن میں آئے

(۶) دفتر سے یا ابو محمد رمضان رخصت پر گیا ہے۔
اس کی جگہ ایک سکھ کو لگایا گیا ہے۔

(۷) بابو دولت علی گوہر سب ریکارڈ آفس لاہور میں
دیر سے کام کرتا تھا۔ سال ۱۹۴۷ء میں سارٹرنگ کیا گیا
اور بابو محمد شریف کو لائل پور سے سرگودھا لایا گیا ہے
حالانکہ اس کو سیالکوٹ سے لائل پور آئے ایک سال بھی
نہیں ہوا۔ اور لائل پور میں ہندوؤں کو جو صدیوں سے
رہتے ہیں تبدیل نہیں کیا گیا۔

selective gradr (114)

اسا امیال ہیں۔ جن میں ایک مسلمان ہے :
 (۱۴) ہیڈ کوارٹر کی آسامی سمجھی کسی مسلمان کو نہیں دیکھی۔
 (۱۵) سیالکوٹ۔ گجرانوالہ۔ وزیر آباد۔ لالہ پور۔
 ملکوال۔ ملتان۔ کبیل پور۔ لاہور۔ پشاور۔ شہر کوٹ۔
 خانوالہ۔ راولپنڈی۔ تمام انچارج ہندو ہیں۔ یہاں
 کسی مسلمان کو نہیں لگایا جاتا۔ مسلمانوں کے ساتھ
 اس قدر ظلم ہو رہا ہے۔ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ کیا
 گورنمنٹ کی یہی مرضی ہے۔ کہ مسلمانوں کو تنگ کیا جاوے۔

خبروں کا گلدستہ

(۱۰)

بابو غلام محمد کو وزیر آباد سے نوشہرہ میں محض ایک ہندو گودیر آباد میں انچارج نکلنے کی خاطر تبدیل کیا گیا۔ بابو مولانا بخش کو پشاور سے راولپنڈی میں محض ...

... ایک سکھ کی خاطر تبدیل کیا گیا۔ بابو فیروز الدین کو راولپنڈی سے پشاور میں ایک ہندو کی خاطر تبدیل کیا گیا۔ بابو احمد الدین کو لالہ موسیٰ سے لائل پور میں ایک ہندو کی خاطر تبدیل کیا گیا۔ بابو محمد شریف کو سیالکوٹ سے لائل پور میں ایک سکھ کی خاطر تبدیل کیا گیا۔ بابو محمد شریف کو لائل پور سے سرگودھا میں ایک ہندو کی خاطر تبدیل کیا گیا۔ بابو نور الدین کو سیالکوٹ سے وزیر آباد میں ایک ہندو کی خاطر تبدیل کیا گیا۔

کئی ایسی مثالیں ہیں جن میں مسلمانوں کو ناجائز دیکھ دیا گیا ہے۔ لیکن انہیں اس سے کہ مسلمانوں کی کوئی سنتا ہی نہیں۔ مسئلہ ہم پوسٹ یا ٹرینل صاحب بہادر پنجاب کی توجہ جو بڑے رحمدل اور انصاف پسند ہیں۔ ایسے ناجائز واقعات کی طرف مبذول کرانے میں کہ وہ فوری مسلمانوں کی داد دے کر دیں۔

چونکہ اخبارات میں مضمون کیے بعد دیگرے نکل رہے ہیں۔ اس لئے انیکٹران۔ سٹر۔ الیکٹران اور ان کے خدو خدائے ہر مسلمان سارے کے پاس جا کر رعب سے دوڑ چکے ہیں۔ یہ لکھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ جو کوئی تکلیف نہیں۔ اور وہ بیچارے انکار نہیں کرتے کیونکہ ان کو یہ تجربہ ہو چکا ہے کہ حکام بالاناک کی فیاد نہیں پہنچ سکتی۔ امید ہے کہ یہیں اس پر مزید تحقیق ضرورت نہ ہوگی۔ اور بہت جلد ہم سن لینگے کہ پوٹا سٹر جنرل بہادر ہمارے عرصہ اشت پر توجہ فرمانے لگے ہیں۔

نے ہی بنا پر ہاتھ ملانے سے انکار کر دیا کہ آپ سیاسی قیدی ہیں۔ اور ملک مغظم کی گورنمنٹ کے دشمن ہیں۔

مقدمہ سازش لاہور کا جو ۱۱ جولائی ۱۹۲۹ء سے زیر سماعت تھا۔ آخر ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو فیصلہ بنا دیا گیا۔ پہلے اس مقدمہ کی سماعت کے لئے پنڈت سری کرشن گوپیشل مجسٹریٹ مقرر کیا گیا تھا۔ عدالت کے ارکان سے طرمان نے شکایت کی وجہ سے جیل میں طویل بھوک ہڑتال کر دی۔ جس میں سٹر داس کی موت واقع ہوئی۔ جس کے بعد یکم مئی ۱۹۳۰ء کو دائرہ کے آرڈی نیس کے آرڈی کی وجہ سے اس کی سماعت کے لئے ایک پیشل جیوٹی مقرر کیا گیا۔ جس کے ممبران سٹر جسٹس کو لڈ کریم۔ جسٹس آغا حیدر اور جسٹس ہاشم تھے۔ اس کے بعد ممبران پیشل جیوٹی میں تبدیلی ہوئی۔ جسٹس کو لڈ کریم اور جسٹس آغا حیدر کی جگہ جسٹس عبد القادر اور جسٹس ٹیپ کو مقرر

پرنسپل اور پرنسپل شیم پرپس کی پانچہزار کی ضمانت ضبط ہونے پر پرنسپل کے پرنسپل نے نیا ڈیکلریشن داخل کیا تھا۔ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور نے اس سے پانچ ہزار کی ضمانت طلب کی ہے امید ہے کہ نئی ضمانت داخل ہو جائیگی۔ اور پرنسپل ایک۔ دو دن میں نکلنے لگے گا۔

(شمارہ ۶ اکتوبر) گورنمنٹ نے آفریدیوں کا پورا جگہ بلایا ہے۔ کہ وہ اپنے گزشتہ جیلن کے تعلق جواب دہی کریں۔ اس پر آفریدیوں نے ۳ اکتوبر کو باغ کے مقام پر جرگہ کیا۔ جس میں پاس ہوا کہ جرگہ جبرود جا کر گورنمنٹ سے ذیل کی شرائط ملنے کا مطالبہ کرے۔ کہ درہ خلیسہ کا قبضہ و حفاظت آفریدیوں کے حوالہ کی جائے تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ تمام آرڈی نیس واپس لے لئے جائیں۔ اور پچاس ہزار روپیہ (پنہیں ادا کیا جائے۔

برطانیہ کا عظیم ترین ہوائی جہاز آرسنا ہندوستان کو پرواز کر کے آ رہا تھا کہ اسے فرانس میں آگ لگ گئی۔ جس سے چند ایک کے سوائے تمام سواروں کی جانیں تلف ہوئیں۔ جن میں لارڈ ٹامسن ہوائی پرواز کے سیکرٹری آف سٹیٹ اور دیگر کئی مشہور افسران تھے۔

گورنمنٹ پنجاب کے ایک اعلیٰ افسر اقبال جیل میں سٹر دی جے پیل کے پاس گئے۔ تو سٹر پیل نے کھڑے ہو کر افسر مذکور سے ہاتھ ملانا چاہا۔ مگر افسر نے انکار کر دیا۔

گورنمنٹ نے ایک افسر اقبال جیل میں سٹر دی جے پیل کے پاس گئے۔ تو سٹر پیل نے کھڑے ہو کر افسر مذکور سے ہاتھ ملانا چاہا۔ مگر افسر نے انکار کر دیا۔

کیا گیا۔ طرمان نے بعض شکایات کی وجہ سے اس عدالت میں بھی آتا بند کر رکھا۔ اور ان کی غیر حاضری میں پیشل جیوٹی میں سماعت جاری رہی۔ اور ۱۶ ماہ کی طویل سماعت کے بعد پیشل جیوٹی نے فیصلہ صادر کر دیا۔ جس کی رو سے طرمان کو حسب ذیل سزائیں ہوئیں۔ ستر ہجرت سنگھ سکھ دیو اور شودام عرف راج گورو کو ستر آٹھ بھائی۔ ستر کشوری لال جے دیو۔ شودام۔ گیا پرشاد کنول ناٹھ۔ نیواری۔ ہما میر سنگھ۔ دے جے کمار سہنا کو ستر عمر قید۔ گندن لال کو سات سال اور پریم دت کو پانچ سال قید۔ ستر زنی کے دت اور ماسٹر الیارام کے خلاف دوران سماعت میں ہی ناکافی ثبوت کی وجہ سے مقدمہ واپس لے لیا گیا تھا۔ دیں راج۔ اے جے کمار گھوش۔ جیتندر سانیال۔ سریندر ناٹھ پانڈے بری کر دیئے گئے سزائیں قتل سائڈرس۔ ملک مغظم کی گورنمنٹ سے بغاوت اور قانون مادہ آتشگیر کے ماتحت ہوئیں۔ مقدمہ ہذا میں سات طرمان (۱) جے گوپال (۲) سہراج دوسرا۔ (۳) اللت کمار کرچی (۴) من ہرمنجی (۵) جتن دناٹھ گھوش (۶) رام سرن داس (۷) برہم دت۔ (۸) المانی گواہ تھے۔ جن میں سے موخر الذکر دو اپنے بیانات سے منحرف ہو گئے۔ علاوہ ازیں پانچ طرمان (۱) ست گوردیا (۲) بھگوتی چرن (۳) چندر شیکھر آزاد (۴) اکیلاش پتی عرف کالی چرن اور (۵) ایشپال مفرد ہیں۔ جن کا پولیس کو سراغ نہیں مل سکا۔

میرٹھ میں غیر مسلم نشنوں کے انتخاب میں اسمبلی کے انتخاب میں بھگت ایسر گڈریہ ۲۶۶ ووٹوں سے کامیاب ہو گیا۔ اس کے مخالف کو صرف ۱۷۷ ووٹ ملے۔ یو۔ پی میں کونسل کے انتخاب میں چوہدری گھیشا گڈریہ ۵۱۰ ووٹوں سے کامیاب ہو گیا۔ اس کے مخالف کو ۸۳ ووٹ ملے۔ اور اس کی ضمانت ضبط ہو گئی۔ چوہدری رام چند گڈریہ ۳۰۸ ووٹوں سے کامیاب ہو گیا۔ اس طرح میرٹھ ڈویژن کی اسمبلی کی نشست گڈریہ ممبران کو ملیں۔ اور جن پانچ نے ان کا مقابلہ کیا۔ ان میں سے چار کی ضمانتیں ضبط ہو گئیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فاروق

فادیان دارالامان موصوفہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۳۰ء

کلام الامام از مسیح موعود علیہ السلام

”اشتہار“

”براہین احمدیہ اور اسکے خریدار“

واضح ہو۔ کہ یہ کتاب اس عاجز نے اس عظیم الشان غرض سے تالیف کرنی شروع کی تھی۔ کہ وہ تمام اعتراضات جو اس زمانہ میں مخالفین اپنی اپنی طرز پر اسلام اور قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کر رہے ہیں۔ ان سب کا الہی عمدگی اور خوبی سے جواب دیا جائے کہ صرف اعتراضات کا ہی قطع قمع نہ ہو۔ بلکہ ہر آداب امر کو جو عجیب کی صورت میں مخالف بداندیش نے دیکھا ہے۔ ایسی محققانہ طور سے کھول کر دکھلایا جائے۔ کہ اس کی خوبیاں اور اس کا حسن و جمال دکھائے دے۔ اور دوسری غرض یہ بھی کہ وہ تمام دلائل اور براہین اور حقائق اور معارف لکھی جائیں۔ جن سے حقائق اسلام اور صداقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حقیقت قرآن کریم روز روشن کی طرح ثابت ہو جائے۔ اور تیسری غرض یہ تھی۔ کہ مخالفین کے مذاہب باطلہ کی بھی کچھ حقیقت بیان کی جائے۔ اور ابتدا میں یہی خیال تھا۔ کہ اس کتاب کی تالیف کے لئے جس قدر معلومات اب میں حاصل ہیں۔ وہی اس کی تکمیل کے لئے کافی ہیں۔ لیکن جب چار پچھتے اس کتاب کے شائع ہو چکے۔ اور اس بات پر اطلاع ہوئی۔ کہ کس قدر بداندیش مخالف حقیقت سے دور و محجور ہیں۔ اور کیسے صدارت کا رنگ کے شکوک و شبہات نے اندر ہی اندر ان کو کھالیا ہے۔ وہ پہلا ارادہ بہت ہی نا کافی معلوم ہوا۔ اور یہ

بات کھل گئی۔ کہ اس کتاب کا تالیف کرنا کوئی معمولی بات نہیں۔ بلکہ ایک ایسے زمانہ کے زیر وزیر کرنے کے لئے یہ ہماری طرف سے ایک حملہ ہے۔ جس زمانے کے مفاسد ان تمام فسادوں کے مجموعہ ہیں۔ جو پہلے اس متفرق طور پر وقتاً فوقتاً دنیا میں گذر چکے ہیں۔ بلکہ یقین ہو گیا۔ کہ اگر ان تمام فسادوں کو جمع بھی کیا جائے تو پھر بھی موجودہ زمانے کے مفاسد ان سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور عقلی اور نقلی ضلالتوں کا ایک ایسا طوفان چل رہا ہے۔ جس کی نظیر صفحہ دنیا میں نہیں پائی جاتی۔ اور جو ایسا دلوں کو ہلا رہا ہے۔ کہ قریب ہے کہ بڑے بڑے عقلمند اس سے ٹھوکر کھادیں۔ تب ان آفات کو دیکھ کر یہ قرین مصلحت سمجھا گیا۔ کہ اس کتاب کی تالیف میں جلدی نہ کی جائے۔ اور ان تمام مفاسد کی بیخ کنی کے لئے فکر اور عقل اور دعا اور تضرع سے پورا پورا کام لیا جائے۔ اور نیز صبر سے اس بات کا انتظار کیا جائے کہ براہین کے چاروں حصوں کے شائع ہونے کے بعد کیا کچھ مخالف لوگ لکھتے ہیں۔ اور اگرچہ معلوم تھا۔ کہ بعض جلد باز لوگ جو خریدار کتاب ہیں۔ وہ طرح طرح کے طعنوں میں مبتلا ہوں گے۔ اور اپنے چند درم کو یاد کر کے مؤلف کو بددیانتی کی طرف منسوب کریں گے۔ چونکہ دل پر یہی غالب تھا۔ کہ یہ کتاب رطب و یابس کا مجموعہ نہ ہو۔ بلکہ واقعی طور پر حق کی ایسی نصرت ہو۔ کہ اسلام کی روشنی دنیا میں ظاہر ہو جائے۔ اس لئے یہ جلد بازوں کی کچھ بھی پرواہ نہیں کی گئی۔ اور اس بات کو خدا تعالیٰ بخوبی جانتا ہے۔ اور شاید ہونے کیلئے وہی کافی ہے۔ کہ اگر پوری تحقیق اور تدقیق کا ارادہ نہ ہوتا۔ تو اس قدر عرصہ میں جو براہین کی تکمیل میں گذر گیا۔ ایسی بس تیس کتابیں شائع ہو سکتی تھیں۔ مگر میری طبیعت اور میرے نور فطرت نے اس بات کو قبول نہ کیا۔ کہ صرف ظاہری طور پر کتاب کو کامل کر کے دکھلادیا جائے۔ کہ حقیقی اور واقعی کمال اس کو حاصل نہ ہو۔ ہاں یہ بات ضرور تھی۔ کہ اگر میں ایسا کرنا اور واقعی حقیقت کو مد نظر نہ رکھتا۔ تو لوگ بلاشبہ خوش ہو جاتے۔ لیکن حقیقی راستبازی کا ہمیشہ یہ تقاضا ہوتا ہے کہ مستحیل

لوگوں کی لعنت ملامت کا اندیشہ نہ کر کے واقعی خبرخواری اور غمخواری کو مد نظر رکھا جائے۔ یہ سچ ہے۔ کہ اس دس برس کے عرصہ میں کئی خریدار دنیا سے گذر بھی گئے اور کئی لمبے انتظاروں میں پڑ کر نومید ہو گئے۔ لیکن اس شخص کے ذرہ انصاف سے یہ بھی سوچنا چاہیے۔ کہ کیا وہ لوگ کتاب کے دیکھنے سے بکلی محروم گئے۔ اور کیا انہوں نے ۳۶ جزو کی کتاب پر از حقائق و معارف نہیں دیکھی۔ اور یہ بھی سوچنا چاہیے تھا۔ کہ تمام دنیا کا مقابلہ کرنا کیا مشکل امر ہے۔ اور کس قدر مشکلات کا ہمیں سامنا پیش آ گیا ہے۔ اور جو کچھ زمانہ کی حالت موجودہ اپنے روز افزوں فساد کی وجہ سے جدید در جدید کوششیں ہم پر واجب کرتی جاتی ہیں۔ وہ کس قدر زمانہ کو چاہتی ہیں۔ ماسوا اس کے ایسے بذطن خریدار اگر چاہیں۔ تو خود بھی سوچ سکتے ہیں۔ کہ کیا ان کے پانچ یا دس روپیہ کے کران کو بکلی کتاب سے محروم رکھا گیا۔ کیا ان کو وہ ۳۶ جزو نہیں پہنچ چکیں۔ جو بہت سے حقائق و معارف سے پر ہیں۔ کیا یہ سچ نہیں۔ کہ براہین کا حصہ جس قدر طبع ہو چکا۔ وہ بھی ایک ایسا بواہر ان کا ذخیرہ ہے۔ کہ جو شخص اللہ جل شانہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہو۔ بلاشبہ اس کو اپنے پانچ یا دس روپیہ سے زیادہ قیمتی اور قابل قدر سمجھے گا۔ میں یقیناً یہ بات کہتا ہوں۔ اور میرا دل اس یقین سے بھرا ہوا ہے۔ کہ جس طرح میں نے محض اللہ جل شانہ کی توفیق اور فضل اور تائید سے براہین کے حصص موجودہ کی نشر اور نظم کو جو دونوں حقائق اور معارف سے بھری ہوئی ہیں۔ تالیف کیا ہے۔ اگر حال کے بذطن خریدار ان ملاؤں کو جنہوں نے کفر کا شور مچا رکھا ہے۔ اس بات کے لئے فرمائش کریں۔ کہ وہ اسی قدر نظم اور نشر جس میں زندگی کی روح ہو۔ اور حقائق معارف بھرے ہوئے ہیں۔ دس برس تک تیار کر کے ان کو دیں۔ اور اسی قدر کی پچاس پچاس روپیہ قیمت لیں۔ تو ہرگز ان کے لئے ممکن نہ ہوگا۔ اور مجھے اللہ جل شانہ کی قسم ہے۔ کہ جو نور اور برکت اس کتاب کی نشر اور نظم میں مجھے معلوم ہوتی ہے۔ اگر اس کا

مؤلف کوئی اور ہونا۔ اور میں اس کے اسی قدر کو ہزار روپیہ کی قیمت پر بھی خریدتا۔ تو بھی میں اپنی قیمت کو اس کے ان معارف کے مقابل پر جو دلوں کی تاریکی کو دور کرتی ہے ناجیز اور حقیر سمجھتا۔ اس بیان سے اس وقت صرف مطلب ہے۔ کہ اگرچہ یہ سچ ہے۔ کہ بقیہ کتاب کے دینے میں معمول سے زیادہ توقف ہوا۔ لیکن بعض خریداروں کی طرف سے بھی یہ ظلم مرتب ہے۔ کہ انہوں نے اس عجیب کتاب کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ اور ذرہ خیال نہیں کیا۔ کہ ایسی اعلیٰ درجہ کی تالیفات میں کیا کچھ لغوین کو خون جگر کھانا پڑتا ہے۔ اور کس طرح موت کے بعد وہ زندگی حاصل کرتے ہیں۔ ظاہر ہے۔ کہ ایک لطیف اور آبدار شاعر بنانے میں یہ معرفت کے نور سے بھرا ہوا ہو۔ اور اگر وہ دلوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اوپر کو اٹھا لیتا ہو۔ کس قدر فضل الہی درکار ہے۔ اور کس قدر وقت خرچ کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر اگر ایسے آبدار اور پر معارف اشعار کا ایک مجموعہ ہو۔ تو ان کے لئے کس قدر زمانہ درکار ہوگا۔ ایسا ہی شکر کا بھی حال ہے جاندار کتاب میں بغیر جانفشانی کے طیار نہیں ہوتیں۔ اور بعض تقدیر میں ایک ایک کتاب کی تالیف میں عمریں بسر کرتے رہے ہیں۔ امام بخاری نے سولہ برس میں اپنے صحیحہ کو جمع کیا۔ حالانکہ صرف کام انشاء تھا۔ کہ احادیث صحیحہ جمع کی جائیں۔ پھر جس شخص کا یہ کام ہو۔ کہ زمانہ موجودہ کے علم طبعی علم فلسفہ کے ان امور کو نیست و نابود کرے۔ جو ثابت شدہ حقائق ہیں جاتی اور ایک عبود کی طرح پوجی

۴ قرآن کا سچا اور پاک فلسفہ دنیا میں پھیلاوے۔ اور مخالفوں کے تمام اعتراضات کا استنبال کر کے اسلام کا زندہ مذہب ہونا اور قرآن کریم کا منجانب اللہ ہونا۔ اور تمام مذاہب سے بہتر اور افضل ہونا ثابت کر دیوے کیا یہ محض اس کام ہے۔ میں خوب جانتا ہوں۔ کہ جن لوگوں نے اس عاجز کی نسبت اعتراض کئے ہیں۔ کہ ہمارا روپیہ لے کر کھالیا ہے۔ اور ہم کو کتاب کا بقیہ اب تک نہیں دیا۔ انہوں نے کبھی توجہ اور انصاف سے کتاب پر نہیں احمدیہ کو پڑھا نہیں ہوگا۔ اگر وہ کتاب کو پڑھتے۔ تو اقرار کرتے۔ کہ ہم نے براہین کا زیادہ اس سے

پھیل کھا یا ہے۔ اور اس مال سے زیادہ مال لیا ہے۔ جو ہم نے اپنے ہاتھ سے دیا۔ اور نیز یہ بھی سوچتے۔ کہ اگر ایسی اعلیٰ درجہ کی تالیفوں کی تکمیل میں چند سال توقف ہو جائے۔ تو بلاشبہ ایسا توقف ملامتوں کے لائق نہیں ہوگا۔ اور اگر ان میں انصاف ہوتا۔ تو دعا باز اور بددینا کہتے کہ وقت کبھی یہ بھی سوچتے۔ کہ اس عظیم الشان کام کا انجام دینا اور اس خوبی کے ساتھ اتمام حجت کرنا۔ اور تمام موجودہ اعتراضات کو اٹھانا۔ اور تمام مذاہب پر فتویٰ ہو کر اسلام کی صداقتوں کو آفتاب کی طرح چمکتے ہوئے دکھانا دنیا کوئی ایسا امر نہیں ہے۔ کہ بغیر ایک معقول مدت اور تائب الہی کے ہو سکے۔ اگر انسان حیوانات کی طرح زندگی بسر نہ کرنا ہو۔ تو اس بات کا سمجھنا اس پر مشکل نہیں۔ کہ ایک سچا مخلص اور غمخوار اسلام کا جو اسلام کی تائید کے لئے قلم اٹھاوے۔ اگرچہ وہ اپنے کسی موجودہ سامان کے لحاظ سے یہ بھی لکھ دے کہ صرف چند ماہ میں فلاں کتاب بمقابلہ مخالفین شائع کر دوں گا۔ لیکن وہ اس بات کا مجاز ہوگا۔ کہ جدید خیالات مشاہدہ کر کے حقیقی اصلاح کی غرض سے اپنے پہلے ارادہ کو کسی ایسی ارادہ سے بدل دے۔ جو خدمت اسلام کے لئے احسن ہے۔ اور جس کا انجام مدت مدید پر موقوف ہے۔ درحقیقت یہی صورت اس جگہ پیش آگئی اور اس عرصہ میں مخالفین کی طرف سے کئی کتابیں تالیف ہوئیں۔ اور کئی رد ہجاری کتاب براہین احمدیہ کے لکھے گئے۔ اور مخالفین نے اپنے تمام تجربات نکال لئے۔ اور طاقتیں ان کی معلوم ہو گئیں۔ اور اس عرصہ میں اپنی فکر اور نظر نے بھی بہت ترقی کی۔ اور ہزار ہا باتیں ایسی معلوم ہوئیں۔ جو پہلے معلوم نہ تھیں۔ اور کتاب کی تکمیل کے لئے وہ سامان ہاتھ میں آگیا۔ کہ اگر اس سامان سے پہلے کتاب چھپ جاتی۔ تو ان تمام حقائق سے خالی ہوتی۔ اور اس عرصہ میں یہ عاجز فارغ بھی نہیں بیٹھا رہا۔ بلکہ تیس ہزار کے قریب اشتہار شائع کیا۔ اور بارہ ہزار کے قریب مخالفین اسلام کو اتمام حجت کے لئے رجسٹری کر کر خط بھیجے۔ اور بعض کتابیں جو براہین احمدیہ کے لئے بطور ادباص کے تھیں۔ تالیف کیں۔ جیسا کہ سرمدہ چشم آریہ۔

شخصہ حق۔ فتح اسلام۔ توضیح مرام۔ ازالہ ادہام۔ ائمہ کمالات اسلام۔ اور اس شغل میں صد ہا حقائق معارف براہین کے لئے جمع ہو گئے۔ اور انہیں حقائق معارف نے اب مجھے اس بات کی طرف توجہ دلائی۔ کہ براہین کے پنجم حصہ کو جواب انتشار اللہ آخری حصہ کی طرح اس کو نکالوں گا۔ ایک مستقل کتاب کے طور پر نکالا جائے۔ سو اب حصہ پنجم کی خوبیاں جس قدر میری نظر کے سامنے ہیں۔ ان کے مناسب حل میں ضروری سمجھا۔ کہ اس پنجم حصہ کا نام ضرورت قرآن رکھا جائے اس حصہ میں یہی بیان ہوگا۔ کہ قرآن کریم کا دنیا میں آنا کیسا ضروری تھا۔ اور دنیا کی روحانی زندگی بغیر اس کے ممکن ہی نہیں۔ اب میں یقین رکھتا ہوں۔ کہ اس حصہ کے شروع طبع میں کچھ بہت دیر نہیں ہوگی۔ لیکن مجھے ان مسلمانوں کی حالت پر بہت افسوس ہے۔ کہ جو اپنے پانچ یا دس روپیہ کے مقابل پر ۳۶ جزو کی ایسی کتاب پا کر جو معارف اسلام سے بھری ہوئی ہے۔ ایسی شرمناک طور پر بدگوئی اور بدزبانی پر مستعد ہو گئے۔ کہ گویا ان کا روپیہ کسی چور نے چھین لیا۔ یا ان پر کوئی فراق پڑا۔ اور گویا وہ ایسی بے رحمی سے لٹے گئے۔ کہ اس کے عوض میں کچھ بھی ان کو نہیں دیا گیا۔ اور ان لوگوں نے زبان درازی اور بدظنی سے اس قدر اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کیا۔ کہ کوئی ذوق نہ رکھتا۔ اس عاجز کو چور قرار دیا۔ مکار ٹھہرایا۔ مال مردم خور کر کے مشہور کیا۔ حرام خور کہہ کر نام لیا۔ دعا باز نام رکھا۔ اور اپنے پانچ یا دس روپیہ کے غم میں وہ سیاہ کیا۔ کہ گویا تمام گھرانے کا لوٹا گیا۔ اور باقی کچھ نہ رہا۔ لیکن ہم ان بزرگوں سے پوچھتے ہیں۔ کہ کیا آپ نے یہ روپیہ مفت دیا تھا۔ اور کیا وہ کتابیں جو اس کے عوض میں تم نے لیں۔ جن کے ذریعہ سے تم نے وہ علم حاصل کیا۔ جس کی تمہیں اور تمہارے باپ دادا کو کیفیت معلوم نہیں تھی۔ اور بغیر ایک عمر خرچ کرنے کے اور بغیر خون جگر کھانے کے یوں ہی تالیف ہو گئی تھیں اور بغیر صرف مال کے یوں ہی چھپ گئی تھیں۔ اور اگر درحقیقت وہ بے ہوا جو امرات تھے جن کے عوض آپ نے پانچ یا دس روپیہ دیئے تھے۔ تو کیا یہ شکوہ روا تھا۔ کہ بے ایمانی اور دھوکہ دہی سے ہمارا روپیہ لے لیا گیا۔ آخر ان جو امردوں اور پرچوش مسلمانوں

.. یہودی مشن

ترجمان القرآن

اور

وفات مسیح نامری

— ❦ —

انسان جب مخفی بالطبع ہو۔ اور اس کے ذہن میں نصب کارگرنہ ہو۔ تو فطرت صحیحہ ضرور امر حق کی طرف اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ اور انسانی ضمیر اسے کلمہ حق کہنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اور اس بات کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ سر دست میں آپ کے سامنے اس کی ایک مثال پیش کرنا ہوں۔ وہ یہ ہے۔ کہ ہم میں ہمارے غیر احمدی احباب میں یہ امر متنازعہ فیہ ہے۔ کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ مسیح ابن مریم جو رسول کاکی بنی اسرائیل ہو کر مبعوث ہوئے تھے۔ وہ مثل جمیع انبیاء کرام علیہم السلام اس دار فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔ اور ہمارا یہ عقیدہ بلا دلیل نہیں۔ بلکہ قرآن کریم کی تیس آیات سے ثابت ہے۔ کہ مسیح فوت ہو چکے۔ اور ایک سو میں برس تک آپ زندہ رہے۔ تاریخ اس امر کی شاہد ہے۔ کہ حضرت امام حسنؑ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ اور اس میں حضرت مسیحؑ کی وفات کا کھلے اور صریح الفاظ میں ذکر کیا۔ اور ان سب براہین و دلائل منقولہ کے بعد عقل سلیم بھی اس عقیدہ کی موید ہے۔ اور اس امر کی پر زور تردید کرتی ہے۔ کہ کوئی فرد بشر بغیر کھانے پینے کے دو ہزار برس تک آسمان پر بیٹھا رہے۔ نہ کوئی کام نہ کارج اور یہ دلائل ہی نہیں۔ بلکہ مسیح کی قبر بھی معلوم ہو گئی۔ مگر ہمارے غیر احمدی احباب کا یہ دعویٰ ہے کہ حضرت مسیح نامری دو ہزار برس سے آسمان پر بیٹھے ہیں۔ اور نہ معلوم کتنا عرصہ آپ وہاں تشریف رکھیں اور سب انبیاء فوت ہو کر زیر زمین مدفون ہو چکے۔ حتیٰ کہ سید ولد آدم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا

اس تقریر کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتا۔ اصل مدعا میرا اس تحریر سے یہ ہے۔ کہ اب میں ان خریداروں سے تعلق رکھتا نہیں چاہتا۔ جو سچے ارادت مند اور مفقود نہیں ہیں۔ اس لئے عام طور پر یہ اشتہار دیتا ہوں۔ کہ ایسے لوگ جو آئندہ کسی وقت جلد با دیر سے اپنے روپیہ کو یاد کر کے اس عاجز کی نسبت کچھ شکوہ کرنے کو طیار نہیں سب ان کے دل میں بھی بذلتی پیدا ہو سکتی ہے۔ وہ براہ ہر بانی اپنے ارادہ سے مجھ کو بذریعہ خط مطلع فرماویں۔ اور میں ان کا روپیہ واپس کرنے کے لئے یہ انتظام کر دوں گا۔ کہ ایسے شہر میں یا اس کے قریب اپنے دوستوں میں سے کسی کو مقرر کر دوں گا۔ کہ تا چاروں حصے کتاب کے لے کر روپیہ ان کے حوالے کرے۔ اور میں ایسے صاحبوں کی بدزبانی اور بدگوئی اور دشنام دہی کو بھی محض لہذا نشتنا ہوں۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا۔ کہ کوئی میرے لئے قیامت میں پکڑا جائے۔ اور اگر ایسی صورت ہو۔ کہ خریدار کتاب فوت ہو گیا ہو۔ اور وارثوں کو کتاب بھی نہ ملتی ہو۔ تو چاہیے کہ وارث چار مغیر مسلمانوں کی تصدیق خط میں لکھو کہ اصل وارث وہی ہے۔ وہ خط میری طرف بھیج دے۔ تو بعد اطمینان وہ روپیہ بھی بھیج دیا جاوے گا۔ اور اگر کسی وارث کے پاس کتاب ہو۔ تو وہ بھی بدستور اس میرے دوست کے پاس روانہ کرے۔ لیکن اگر کوئی کتاب کو روانہ کرے۔ اور یہ معلوم ہو۔ کہ چاروں حصے کتاب کے نہیں ہیں۔ تو ایسا پیکٹ ہرگز نہیں لیا جائیگا۔ جب تک شخص زندہ بینا ثابت نہ کرے۔ کہ اسی قدر کتاب ان کو بھیجی گئی تھی۔ والسلام علی من اتبع الهدی

(خاکسار غلام احمد از قادیان۔ ضلع گورداسپور)

(یکم مئی ۱۸۹۳ء)

فاروق۔ یہ اشتہار حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے مئی ۱۸۹۳ء میں شائع کر دیا تھا۔ اس کے جو ناہل براہین کی قیمت کے متعلق اعتراض کرتے تھے۔ وہ لغتی تھے اس کو شرم کرنی چاہیے۔ اور اگر وہ حسب شرائط اشتہار اپنی کتاب واپس کرنا چاہے۔ تو واپس کر کے اپنی ادراک قیمت کا ثبوت پیش کر کے قیمت واپس لے لے۔

کو دیکھنا چاہیے۔ کہ جنہوں نے براہین کے ان حصوں کو دیکھ کر بغیر خریداری کی نیت کے صرف حقائق معارف کو مشاہدہ کر کے صد ہا روپیہ سے محض لہذا مردکی۔ اور پھر عذر کیا۔ کہ ہم کچھ نہیں کر سکے۔ ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں تمام قومی تلواریں کھینچ کر اسلام کے گرد ہورہی ہیں۔ اور کروڑ ہا روپیہ کا جذبہ کر کے اس فکر میں ہیں۔ کہ کئی ملت اسلام کو روئے زمین سے نابود کر دیں۔ ایسے وقت میں اگر اسلام کے حامی اسلام کے مددگار اسلام کے غمخوار ہی لوگ ہیں۔ کہ ایسی کتاب کے مقابل پر جو اسلام کے لئے اور زندہ نبوتوں کی بنیاد ڈالتی ہے۔ اس قدر جزع فزع کر رہے ہیں۔ اور ایک معقول حصہ کتاب کا لے کر پھر یہ ماتم اور فریاد ہے۔ تو پھر اس دین کا خدا حافظ ہے۔ مگر ہمیں اللہ جل شانہ کو ایسے لوگوں کی ہرگز پرواہ نہیں۔ جو دنیا کو دین پر مقدم رکھتے ہیں۔ نہایت تعجب انگیزہ امر ہے۔ کہ اگر کسی صاحب کو بقیہ براہین کے نکلنے میں دیر معلوم ہوئی تھی۔ اور اپنا روپیہ یاد آیا تھا۔ تو اس شور و غوغا کی کیا ضرورت تھی۔ اور دغا باز اور چور اور حرام خور نام رکھ کر اپنے نامہ اعمال کے سیاہ کرنے کی کیا حاجت تھی۔ اباب سیدھے معاملہ کی بات تھی۔ کہ بذریعہ خط کے اطلاع دیتے۔ کہ براہین کے چاروں حصے لے لو۔ اور ہمارا روپیہ واپس کرو۔ مجھے ان کے دل کی کیا خبر تھی۔ کہ وہ اس قدر بگڑ گئے ہیں۔ میرا کام محض لہذا تھا۔ اور میں خیال کرتا تھا۔ کہ گو بعض مسلمان خریداری کے پیراہ میں تعلق رکھتے ہیں۔ مگر اس پر قطعہ زمانہ میں لہی نیت سے وہ خالی نہیں ہیں۔ لہی نیت کا آدمی حسن ظن کی طرف بہ نسبت بذلتی کے زیادہ جھکتا ہے۔ اگرچہ یہ ممکن ہے۔ کہ کوئی شخص بد نیتی سے کسی کا کچھ روپیہ رکھ کر اس کو نقصان پہنچاوے۔ مگر کیا یہ ممکن نہیں۔ کہ ایک مولف محض نیک نیتی سے پہلے سے ایک زیادہ طوفان دیکھ کر اپنی تالیف میں تکمیل کتاب کی غرض سے توقف ڈال دے۔ وائما الاعمال بالثبوت۔ اللہ جل شانہ جانتا ہے۔ کہ میرا یہ یقین ہے۔ کہ جیسا کہ میں نے اس توقف کی وجہ سے قوم کے بدگمان لوگوں سے لعنتیں سنی ہیں۔ ایسا ہی اپنی اس تاثیر کی جزا میں جو مسلمانوں کی بھلائی کی موجب ہے۔ اللہ نزلے سے عظیم الشان رحمتوں کا مورد بنوں گا۔ اب میں

کو آزاد کرانے کراتے اس کو جہالت کی پہلے سے زیادہ مضبوط زنجیروں میں نہ جکڑ دیں۔

کانگریسی لیڈر

مجھے سب سے پہلے قوم کے ان کانگریسی لیڈروں کی نسبت کچھ عرض کرنا ہے۔ جو ملک کو آزاد کرانا چاہتے ہیں۔ اور جن کے خیال میں طالب علموں کا سول نافرمانی میں حصہ لینا اور ان کا خلاف آئین و دستور کام کرنا اور قید ہونا۔ اور ان کا سکولوں اور کالجوں کو ایک سال کے لئے خیر باد کہنا۔ اس راج کی طرف ایک عملی قدم بڑھانا ہے۔

مجھے حیرت ہے۔ کہ کانگریسی لیڈر کس بنا پر اس ریزولوشن کی تائید میں ملک کے اکناف و اطراف میں ایجنٹیشن پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ۱۹۲۱ء کے المناک نتائج کچھ ایسے تو نہ تھے۔ جو بھول جائیں۔ جو بھلا دیئے جائیں۔ اس وقت کانگریس نے اسی طرح کا خطرناک اور تباہ کن طریقہ عمل اختیار کر کے طالب علموں کو سکولوں اور کالجوں سے نکلوا کر ان کی عمریں تباہ کر دی تھیں۔ اور کئی قومی درسگاہوں کو تباہ کر دیا تھا۔ علاوہ اسکے اس ہنگامی جوش میں جو نئی قومی درسگاہیں بنائی گئی تھیں۔ ان کا جو حشر ہوا تھا۔ وہ ایک گھلا ہوا راز ہے۔ اور جو روپیہ اس وقت ان پر قوم کی کٹاڑ سے پسینہ کی کماٹی کا لگایا گیا تھا۔ اس کا جو نتیجہ برآمد ہوا۔ وہ سب کو معلوم ہے۔

یہ ریزولوشن یقیناً قومی جوش کے ماتحت بغیر کسی انجام بینی اور عاقبت اندیشی کے پاس کر دیا گیا ہے۔ شاید سردست ہنگامی ہیجان میں اس ریزولوشن کی قباحتوں پر نظر نہ پڑے۔ لیکن یقین ہے کہ محفوظ ہی عرصہ کے بعد ۱۹۲۱ء کی طرح خود لیڈروں کے حلقہ میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔ ۱۹۲۱ء میں بھی سلیم الطبع اور ٹھنڈے دل سے سوچ بچار کرنے والے کانگریس سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ اور وہ محض اس لئے کہ وہ اپنی اپنی قومی درسگاہوں کو نفاذ تعلیمی کے تباہ کن ریزولوشن کے اثرات بد سے بچانا چاہتے تھے۔

طلباء کی تحریک سول نافرمانی

میں

شرکت کے مضامین

(از جناب چوہدری غلام مصطفیٰ امجدی جوڑوالہ)

۱۹۲۱ء کی طرح انڈین نیشنل کانگریس کی درگت

کلیٹی (مجلس عاملہ) نے حال ہی میں اپنے ایک جلسہ میں ریزولوشن پاس کیا ہے۔ کہ طالب علموں کو چاہیے کہ وہ موجودہ تحریک سول نافرمانی میں حصہ لینے کیلئے ایک سال کے لئے کالج اور سکول چھوڑ دیں۔ جو ہر اُس وقت مجاہد تھا۔ اور جو ہیجان تعلیمی ہند میں اس وقت پیدا ہوا تھا۔ وہ ابھی تک بھولا نہیں۔ کئی کالج اور سکول ٹوٹ گئے۔ اور ہزاروں لڑکے تعلیم سے بے بہرہ ہو گئے۔ اور آج تک اُس وقت کی طوفانی کیفیت کی رو میں نہ جانے کی وجہ سے اپنے تئیں سنبھال نہیں سکے۔ طوفان آیا۔ اور گزر گیا۔ لیکن جو نقصان ہندوستان کو نیشنل کانگریس کے اس غلط رویہ سے پہنچا تھا۔ اس کی تلافی آج تک نہیں ہو سکی۔

جب میں نے اخبارات میں کانگریس کا یہ ہلاکت آفریں اور بربادی خیز ریزولوشن دیکھا۔ اور اس کی تائید میں رہنمایان ملک کی تقریریں پڑھیں۔ تو میری آنکھوں کے سامنے نو سال پیشتر کا المناک سماں پھر گیا۔ اور یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ میں نیشنل کانگریس کے اس نقصان دہ ریزولوشن کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کروں۔ اور ان رہنماؤں سے جو ہندوستان کی کشتی کے ناخذ بنتے ہیں۔ طلباء کے والدین سے اور خود طلباء سے جن پر تباہی آنے والی ہے۔ اپیل کروں۔ کہ وہ خدا را بغیر سوچے سمجھے کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں۔ جو ۱۹۲۱ء کی طرح یقیناً بربادی اور تباہی کی طرف لے جانے والا ہو۔ اور ہنگامی حالات سے متاثر ہو کر کوئی ایسی کارروائی نہ کر بیٹھیں۔ جس پر بعد ازاں انہیں پتہ چلنا پڑے۔ وہ کچھ تلخ تجربہ سے فائدہ اٹھائیں۔ اور ہندوستان

خدا سے جا ملے۔ اور آپ کا وجود مطہر مدینہ مطہرہ کی سرزمین میں مدفون ہے۔ مگر حضرت علیؑ فوت نہیں ہوئے اور جب کبھی سکہ تھنا زعمہ فیہ میں فریقین کی بحث ہوتی ہے۔ تو اس میں بڑی کھینچا تانی سے یہ کوشش کی جاتی ہے۔ کہ مسیح کو کسی طرح زندہ ثابت کیا جائے۔ لیکن یہ تو مقابلہ کی بات ہوئی۔ اس لئے مولوی صاحبان کہاں مانتے ہیں۔ لاکھ دلائل پیش کئے جائیں۔ مگر جب خود محلی بالطبع ہو کر آیات قرآنی کی تفسیر لکھتے ہیں۔ تو کلمہ حق ان کی زبان پر جاری ہو ہی جاتا ہے۔ ترجمان القرآن کے صفحہ پر آیت ماحمد کا رسول کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں:-

پہ حاصل یہ ٹھہرا کہ حضرت کا مرنایا مارا جانا موجب ضعف کا دین میں سبب رجوع کا اسلام سے نہیں ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ سارے انبیاء جو حضرت سے پہلے تھے مر چکے ہیں۔ مگر ان کے اتباع بعد میں ان کی موت کے دین انبیاء سے نہ پھرے گا۔

دیکھئے کیسے صاف الفاظ میں مسیح کی موت کا انوار کھلے ہے۔ کیونکہ مسیح بھی ان انبیاء کے زمرہ میں شامل ہیں۔ جو آپ سے پہلے ہو چکے۔ دیکھئے مولوی صاحبان خصوصاً اہل حدیث اپنے بزرگ اور اپنے مستند عالم قزاق بھوپال کی صحیح تفسیر کو مانتے ہیں۔ یا غضب سے اسے ٹھکراتے ہیں۔

(خاکسار عبدالاحد مولوی فاضل قادیان)

نایاب کتاب

رمی الجمرات دو جلد مکمل :- نواب ہدی علی خان علی گڑھی مرحوم نے جو شیعہ تھے۔ اور خدا کے فضل سے پھر سستی ہو گئے ایک کتاب کئی جلدوں میں آیات مبینات صداقت مذہب سنت جماعت اور بطمان مذہب شیعہ میں لکھی تھی۔ اس کا جواب مندرجہ بالا نام سے دو جلدوں میں شیعہ علماء کی طرف سے نکلا تھا۔ نایاب ہے۔ اگر کسی دوست کو اپنی لائبریری کی تکمیل کے لئے ضرورت ہو تو مزگالیں قیمت ہر دو جلد مع محصول ڈاک مبلغ پانچ روپیہ ہے۔ (بیچر فاروق)

آزادی کے لئے جدوجہد کرنا کوئی گریو کا کھیل نہیں ہے۔ کہ اس میں ہندوستان کے بچوں کو شامل کر کے کامیابی حاصل کی جاسکے۔ اسلام نے طلباء کے لئے سب سے بڑا جہاد جو مقرر کیا گیا ہے۔ وہ علم کا حاصل کرنا ہے۔ اور علم کے حصول کی خاطر ہر طرح کی تکالیف برداشت کرنا ہے۔ اور میرے نزدیک ہر تہذیب اور ترقی کی منتہی قوم کے بچوں کے لئے اسلام کے مقرر کردہ معیار سے بہتر کوئی معیار نہیں ہو سکتا۔ خطرناک سے خطرناک جنگ میں بھی بچوں اور عورتوں کو میدان میں نہیں لایا جاتا۔ یورپ کی جنگ عظیم جس نے ۵۰ سال تک دنیا کے امن کو جلا کر رکھ کر دیا تھا۔ یہی مشہور اقوام کے لئے مصیبت عظمیٰ تھی۔ لیکن اس بڑی بھاری مصیبت میں بھی کسی جنگ آزما ملک نے اپنے مدارس نہیں بند کر دیئے تھے۔ وہاں کار و بار تجارت اگر رک گیا تو رک گیا ہو۔ لیکن ایک دن کے لئے بھی ان کے ملک کی تعلیمی رفتار نہ رکی۔ اور نہ سست ہوئی۔ آج سول نافرمانی کی تحریک میں پیش پیش ہونے والوں میں کوئی سیرسٹر ہے۔ کوئی لڈا کر ہے۔ کوئی ایم اے۔ کوئی بی۔ اے۔ غرضیکہ ہر طبقہ کے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ شامل ہیں۔ لیکن کیا ان لوگوں کے سوانح حیات میں کسی نے دیکھا کہ انہوں نے اپنے طالب علمی کے زمانہ میں سکول یا کالج سے مقاطعہ کیا؟ یا کبھی استاد کی نافرمانی کی؟ کبھی ماں باپ نے سکول جانے کے لئے کہا ہو۔ اور انہوں نے انقلاب زندہ باد کے نعرے سے اس کا دندان شکن جواب دیا ہو۔ جب یہ لوگ خود طالب علمی کے زمانے میں کتابوں کے کپڑے تھے۔ اور پڑھائی میں بہرہ تن مشغول رہتے تھے۔ اور بچپن میں انہوں نے وہ کام کئے۔ جو ان کے عروج کا باعث ہوئے۔ تو اب بچوں کو کیوں نہیں کہا جاتا۔ کہ وہ بھی اپنے زمانہ طالب علمی میں وہی کام کریں۔ اور پڑھائی میں مشغول رہیں۔ اور انہیں کامیابی کا سار تہ اور عزت حاصل کریں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ کہ موجودہ لیڈر تو لکھ پڑھ کر پروفیسر وکیل۔ جج اور سیرسٹر اور کیا کیا کچھ نہ ہوں۔ مگر آج کے طلباء ان پڑھ اور جاہل رہ کر ذلیل اور غوار ہوں۔

کانگریسی لیڈروں کو گورنمنٹ سے بہت سی شکایتوں کے علاوہ یہ بھی شکایت رہی ہے۔ کہ گورنمنٹ تعلیم پر زیادہ روپیہ خرچ نہیں کرتی۔ اور نہیں چاہتی کہ دوسرے متمدن ممالک کی طرح ہندوستان تعلیم یافتہ ہو کر شاہراہ ترقی پر گامزن ہو۔ اور ہندوستانیوں کو جاہل اور اہل رکھنا چاہتی ہے۔ گورنمنٹ سے ہمیشہ یہ مطالبہ کیا جاتا ہے۔ کہ تعلیم لازمی ہو۔ اور ہر ایک بچے کو مجبور کیا جائے۔ کہ وہ تعلیم حاصل کرے۔ اور اگر تعلیم لینے یا دلانے میں بچہ یا اس کا سرپرست کوتاہی کرے تو ان کو سزا دی جائے۔ ان کا یہ بھی مطالبہ رہا ہے۔ کہ ہر قریہ اور گاؤں میں مدرسہ ہوتا کہ علم کی روشنی ہر تارک کو لے کر پہنچ جائے۔ یہ کیا ستم ظریفی ہے۔ کہ ایک طرف تو یہ مطالبہ ہو۔ اور دوسری طرف طلباء سے درخواست کی جائے۔ کہ وہ کالج اور سکول چھوڑ دیں۔ اور تعلیم سے بالکل نا آشنا اور جاہل رہیں۔ اور نور علم سے گبرہ رہیں۔ میں نہیں سمجھتا ان متضاد قول و فعل کے کیا معنی ہیں۔ اگر کانگریسی لیڈروں کا یہ قول تسلیم کر لیا جائے۔ کہ گورنمنٹ ہندوستانیوں کو جاہل رکھنا چاہتی ہے۔ کیا یہی لیڈر اس وقت گورنمنٹ سے ہندوستان کو جاہل رکھنے کے لئے تعاون نہیں کر رہے۔ کیا وہ خود ہی وہی کام نہیں کر رہے۔ جس کے کرنے کا وہ گورنمنٹ پر الزام لگایا کرتے تھے۔ کیا وہ اپنے فعل سے ہندوستان کو ان پڑھ اور جاہل مطلق رکھنا نہیں چاہتے۔ پھر لڑکوں کو سکولوں اور کالجوں سے اٹھوا کر کیا یہ لوگ ایک لمحہ کے لئے بھی ہندوستان کی غیر خواہی کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ آہ ملک کو آزاد کرنے والے لوگوں کی یہ کتنی مسخہ خبر حرکات ہیں! جیسا کہ میں شروع میں کہہ چکا ہوں۔ کہ ۱۹۲۱ء میں بھی اسی قسم کا ریزولوشن پاس کیا گیا تھا۔ ہزاروں بچے سکولوں اور کالجوں سے نکل آئے تھے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا۔ اور اس غلط تدبیر نے کام کو کیا نقصان پہنچایا۔ یہ بال بھارت سمجھا۔ یہ نوجوان بھارت سمجھا اور یہ سٹوڈنٹ یونین۔ اور اسی قسم کی اور جماعتیں اسی ۱۹۲۱ء کے لئے تیار نہ کیں ریزولوشن کی زمین منت ہیں۔ اور یہ آج کل کی بمب سازی اور بم بازی بھی اسی نقصان اور عاقبت نااندیشانہ ریزولوشن کے نتائج بد ہیں۔ بچوں

میں عقل پختہ نہیں ہوتی۔ وہ آزادی کے حصول میں آئینی اور غیر آئینی طریقوں میں فرق نہیں سمجھ سکتے۔ ان میں آزادی کی خواہش کے غلط طریقوں کی ترویج کے ہی نتائج ہو سکتے تھے جو پوئے۔ چھانٹا گاندھی نے پہلے تو بڑے چاؤ سے طلباء میں سول نافرمانی کی تحریک کو پھیلایا تھا۔ لیکن ۱۹۲۹ء میں جب لاہور میں انڈین نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس ہوا۔ اور جو رضا نوجوانوں نے وہاں پیدا کی تھی۔ اس سے ان کو معلوم ہو گیا تھا۔ کہ وہ اب ان کے بس میں نہیں رہے۔ اور جو گڑھا اس وقت انہوں نے دوسروں کے لئے کھودا تھا۔ وہ خود ان کے لئے منہ کھولے ہوئے ہے۔ والٹر کے کی ٹرین پر بمب پھینکنے کے متعلق اظہار نفرت کا جو ریزولوشن انہوں نے انڈین نیشنل کانفرنس کے کھلے اجلاس میں پیش کیا تھا۔ اس کی مخالفت نے ان کی آنکھیں کھول دی تھیں۔ اور ان پر واضح ہو گیا تھا۔ کہ طلباء میں سول نافرمانی کی تحریک سے ان کے عدم تشدد کا بھانڈا چور ہے۔ میں پھوٹنے والا ہے۔ جب ۱۹۳۱ء کے ریزولوشن کے یہ نتائج بد ظہور میں آئے ہیں۔ تو خدا کے لئے کانگریسی رہنمایان قوم در اٹھندے دل سے سوچ بچار کریں کہ ان کے موجودہ ہلاکت خیز ریزولوشن سے آئندہ کیسے کیسے ہولناک نتائج برآمد ہوں گے۔ وہ سول نافرمانی کا بیج جو ۱۹۲۱ء میں طلباء کے دلوں میں بویا گیا تھا۔ اب بمب سازی اور بمب بازی کی صورت میں پھوٹ نکلا ہے۔ اور مانتا گاندھی کا اصول عدم تشدد بمب بازی کی نظر ہو گیا ہے۔ اور بمبوں نے اس کے پڑچھے اثر دیئے ہیں۔ اور ہندوستان کو اب وہ رعد بد بکھنا نصیب ہوا ہے۔ جس کا سلیم الطبع حضرات کو خطرہ تھا۔ مگر جس کی طرف سے اس وقت کانگریس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ میں پھر کہتا ہوں۔ کہ اب بھی تلخ تجربہ سے فائدہ نہ اٹھاتے ہوئے وہی غلط طریقہ اختیار کر لیا گیا تو اس کا نتیجہ پہلے سے بھی زیادہ بڑا ہولناک اور تباہ کن ہوگا۔ طلباء میں سول نافرمانی کی تحریک کا پھیلنا گویا دو دھاری تلوار سے کھیلنا ہے۔ کانگریسی

لالہ شوہر لال صاحب کا عہدِ وزارت

(三)

لالہ جی کی سابقہ زندگی

انگلستان سے بیرسٹری پاس کرنے کے بعد لالہ جی نے عدالت عالیہ لاہور میں "پریکٹس" شروع کی۔ لیکن جب قلم آمدنی کی وجہ سے پریشان حال ہوئے۔ تو انہوں نے انٹریڈی ایٹ کالج کپور تھلہ میں پریل شپ (عہدہ پرنسپل) اختیار کر لیا۔ وہاں بھی وہ حکام ریاست کی خوشنودی حاصل کرنے میں ناکام رہے۔ اور انہیں مطمئن نہ کر سکے۔ اس لئے مدت ملازمت ختم کرنے سے پیشتر ہی سکدوش کر دیئے گئے۔ اس کے بعد آپ کلکتہ یونیورسٹی میں اقتصادیات (اکنائٹس) کی ٹیوٹر شپ (لیکچرار کے عہدے) پر مقرر ہو گئے۔ لیکن وہاں بھی وہی انجام ہوا۔ اور آپ پھر وکالت کا کام شروع کرنے کے لئے لاہور آ گئے۔ لیکن اب بھی وکالت کے پیشے سے انہیں کافی آمدنی حاصل نہ ہوئی۔ اور ایسے ذرائع اختیار کئے گئے۔ جو پنجاب یونیورسٹی کے لئے باعث توہین بن گئے۔ حال ہی میں لالہ گلن ناتھ مہو ترہ نے ان میں سے بعض ذرائع پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ جب آپ وزیر تعلیم مقرر ہوئے تو ہماری حیرت و استحجاب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اور اب بھی موجودہ عہدے میں ان کی کلیتہً ناکامی سے کوئی تعجب نہیں۔ کیونکہ جو شخص زندگی کے تمام شعبوں میں ہمیشہ ناکام رہا ہے۔ اس سے حکومت پنجاب کے اہم ترین محکمہ کے نظم تن میں باپوس کن ناکامی کے سوا کیا توقع ہو سکتی ہے؟

سرفضل حسین کے کارہائے نمایاں

اب ہم شاندار تعلیمی اصلاحات کر رہے ہیں۔ جو
نفاذ اصلاحات کے بعد اولین وزیر تعلیم فضل حسین نے
جاری کیں۔ آپ کو کم از کم سچاس اصلاحات نامزد کرنے کا
فخر حاصل ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک اصلاح پیچہ
مسند اور فائدہ بخش ہے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

احباب اس دودھاری تلوار کو گورنمنٹ کے مقابلے میں کام لانا چاہتے ہیں۔ لیکن کیا ان کو معلوم نہیں کہ اس تلوار کی دوسری دھار خود ان کے برخلاف کام میں نہیں لائی جاسکتی ہے؟ ۱۹۲۱ء کی ان میں غلط تحریک کا یہ نتیجہ ہوا ہے۔ کہ وہ اب کانگریسی لیڈروں کے بس کے نہیں رہے۔ لاہور والے کانگریس کے اجلاس کے موقع پر کانگریس کو کن بڑے الفاظ میں نوجوانوں نے یاد نہیں کیا۔ کانگریس کو سرمایہ داروں کی جماعت اور ملک کے دشمن کہا گیا تھا۔ بازی بازی بارش بابا ہم بازی کانگریسی لیڈر طلباء میں تحریک سول نافرمانی کو پھیلا کر خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہے ہیں۔ اور خود اپنے ہاتھوں سے ہندوستان کی ترقی کے درخت کو جڑوں سے کاٹ رہے ہیں۔

میں آخر میں پھر کانگریسی لیڈروں سے دست بردار
درخواست کروں گا۔ کہ خدا کے لئے وہ اس مضر ملک و
قوم ریز و لیوشن کو واپس لے لیں۔ اور طلباء و میں تحریک
سول نافرمانی کی ترویج کو بند کر دیں۔ اور ان کو ہدایت
کر دیں۔ کہ بیشتر سے بیشتر اپنی پڑھائی میں مشغول رہ کر
تعلیم یافتہ ہو کر سچے عقل لے کر تحریک آزادی میں چاہیں
تو حصہ لے لیں۔ لیکن اس وقت سکول اور کالج نہ چھوڑیں
اور نہ تحریک سول نافرمانی میں حصہ لیں اور نہ جیل خانہ
جائیں۔ ورنہ جیسا کہ میں اوپر وضاحت سے عرض کر چکا
ہوں۔ طلباء میں تحریک سول نافرمانی کے ہونا انکے نتائج
نیک نہیں گئے۔ جو ہندوستان کی ترقی نہیں بلکہ تباہی کا موجب
ہوں گے۔ (باقی دارد)

گہری سازش :- خاں بہادر عبدالعزیز صاحب سی۔ آئی۔ ای
او۔ بی۔ اے سپرنٹنڈنٹ تحفہ پولیس پر گولیاں فیر کر کے پکے نقبش
مطرحے۔ آرماس صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس اور صاحب
لالہ جواہر لال مامور کئے گئے ہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ حملہ کسی
گہری سازش کا جزو ہے :-

گرفتاری بہ حبس سنگ و چٹان ملزمان مقدمہ سازش لاہور کو سرا
ہے۔ ڈیرہ بھجائی کے ملزمان لاہور میں ہندو عورتوں اور مردوں
کو زبردستی کھانچ لایا۔ پولیس نے ۱۶ عورتیں اور ۴

کہ ان کی تمام اصلاحات کی بنیاد چار اصولوں پر قائم ہے
یعنی وسعت و کشادگی کفایت شعاری کمالیت اور مساوات
توسیع کی حکمت عملی سے ان کی غرض صرف یہ تھی کہ موجودہ
نظام میں کسی قسم کی مداخلت کرنے کے بغیر بے ضابطگیوں
اور عدم مساوات کو دور کیا جائے۔ اس کے لئے
روپیہ کی سخت ضرورت تھی۔ اور اس کے لئے انہوں نے
غیر ضروری اخراجات کی تمام مدیں تخفیف کر دی۔ تمام غیر
ضروری اسامیاں اور فضول عہدے برطرف کر دیئے
اور آمدنی کے تمام ممکن ذرائع پیدا کئے۔ اس کفایت
شعاری سے بہت سارے روپیہ بچ گیا۔ جسے عظیم الشان
تعلیمی ترقی میں استعمال کیا گیا۔ اور وہ صوبہ بھر کی وقت
پسماندہ تھا۔ تمام صوبوں سے آگے مکمل کیا۔ ہر قسم اور
ہر درجہ کے تمام مدارس میں داخلہ دوچند ہو گیا۔ اور
تقریباً دس لاکھ طلباء تعلیم حاصل کرنے لگ گئے۔
آٹھ سو رقبہ جات میں جبری تعلیم کا نفاذ کیا گیا۔ مخلوط
ادارے قائم کئے گئے۔ اور پسماندہ علاقوں میں تقریباً
سات انٹر میڈیٹ کالج قائم کئے گئے۔ جہانی (فریکل)
تربیت اور دستی کام (صنعت و حرفت) کی سکیم کی تربیت
کی گئی۔ اور پسماندہ اقوام کی تعلیم کے لئے مراعات ہمہ پہنچائی
گئیں۔ بالغوں کے لئے سکول کھولے گئے۔ سکول طلباء
کے طبی معائنے اور علاج کے طریقے جاری کئے۔

بہاؤی سکولوں کو سرکاری سکول بنایا گیا۔
 پسماندہ علاقوں میں ترقی تعلیم کا یہی ایک طریقہ تھا۔ دوسرے
 بورڈوں کو فراہمی سے امداد دی گئی۔ تاکہ وہ دیہاتی
 رقبوں میں اینگلو ورنیکلر سکول قائم کریں۔ اسکولوں کی تعلیم
 کو انیسٹر خوانین مقرر کر کے خاص تقویت پہنچائی گئی۔

پہدری چھوڑام کی وزارت

چوہدری جیو ٹورام کی وزارت اگرچہ بہت مختصر تھی
لیکن اس کی ترقی کا بھی بہت عمدہ ریکارڈ موجود ہے۔
انہوں نے اپنے پیشرو وزیر کی تمام سکیموں اور سرگرمیوں
کو بڑی سرگرمی سے انجام کر دیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے
گلگھڑ اور گوڑکانوہ میں دیہاتی تعلیم کے جدید شہزاد کھنجر ع کے

لاہور میں رول کمیونٹی بورڈ دیہاتی اقوام کا بورڈ قائم کیا گیا۔ اور اصلاح کے صدر مقامات پر اصلاحی قومی بورڈ کھولے۔ دو اور انٹر میڈیٹ کالج منظور کئے گئے۔ کلکٹر کی تعلیم کے مسئلہ پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی۔ مدارس اور دیہاتی آبادی میں فزیکل تعلیم کے لئے سنٹرل ٹریننگ سکول میں ایک کلاس کھولی گئی۔ ان دونوں وزارتوں کی ترقی کے میدان کو وسیع کر دیا۔ ان کی اصلاحات کا دیہات اور شہر دونوں مقامات پر اثر ہوا۔ شیرخوار بچے باغ ٹرکے اور لڑکیوں کو بدنی اور دماغی معاشری اور اقتصادی تعلیم مواقع بہم پہنچائے گئے۔

چیلنج

میں موجودہ وزیر کے مداحوں اور اس کے شاندار کارناموں کے پرستاروں کو چیلنج دیتا ہوں۔ کہ وہ ان کی چار سال کی غیر معمولی وزارت کے زمانے کی کوئی اہم سکیم بتائیں۔ میرا دعویٰ ہے۔ کہ ان کی ترقی کا میدان بالکل خالی اور ان کے کارناموں کا نقشہ کورا ہے۔ ممکن ہے۔ کہ ان کے مداح ان کی مدافعت کرنے کی کوشش میں یہ کہیں کہ وہ سکیمیں طیار کرنے والے نہ تھے۔ میں ایک لحاظ سے اسے تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن نظم و نسق کے معاملے میں وہ واقعی قدیم اور جدید سب پر سبقت لے گئے۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں۔ کہ لالہ منوہر لال یہ دعویٰ برگز نہیں کر سکتے۔ کہ انہوں نے میدان تعلیم میں ایک بھی ایسی سکیم نافذ کی ہے۔ جو کوئی اہمیت رکھتی ہو۔ برخلاف اس کے ان کی وزارت تعلیمی انحطاط کی یادگار رہے گی۔ انہوں نے اپنے حلقہ تعلیم اسناد کے تاریخی خطبہ میں انٹر میڈیٹ کالجوں کو بند کرنے پر زور دیا۔ ایک درجن سے زیادہ مدارس سرکاری نہیں بنائے گئے۔ دیہات کی ترقی اور تعلیم کی تمام کوششوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ اینگلو ورنیکل تعلیم مسدود کر دی گئی۔ طلباء کا داخلہ سابقہ وزارتوں میں دس لاکھ سے اوپر ہو گیا تھا۔ ۱۹۲۹ء میں صرف ۳۰ ہزار رہ گیا۔ تمام فائدہ بخش سرگرمیاں ترک کر دی گئیں۔ اور ہالوں کے سکول بڑی تیزی سے معدوم ہو رہے ہیں۔

(ماخوذ از انقلاب)

احمدی مشن

اسلامی شعار کی پابندی ضرور کرنی چاہیے

از حضرت خلیفۃ المسیح ثانیؑ ایدہ اللہ تعالیٰ

خطبہ جمعہ فرمودہ ۳ اکتوبر ۱۹۳۱ء

سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

دنیا میں مختلف پیرس مختلف مینتیں رکھتی ہیں۔ کسی کی جنتیت زیادہ ہوتی ہے۔ اور کسی کی کم۔ اور اسی کے لحاظ سے ہم انہیں قیمتی یا کم قیمت قرار دیتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات کسی خاص فائدہ کو مد نظر رکھتے ہوئے بھی ایک چیز قیمتی یا غیر قیمتی قرار دے دیجاتی ہے۔ ایک وقت ایک چیز جو اڑاں ہو اور سہولت سے مل سکے۔ وہ بے قیمت سمجھی جاتی ہے۔ لیکن دوسرے وقت میں کسی خاص شخص کی ضرورت یا مہیا ہونے کی مشکلات کے لحاظ سے وہی قیمتی سمجھی جائے گی۔ جیسے مادیات میں ہم سونے کو دیکھتے ہیں۔ کہ یہ بہت قیمتی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص ایک ایسے جنگل میں چنسا ہو ابیاس سے ٹپ رہا ہو۔ جہاں پانی کہیں میسر نہیں آسکتا۔ تو اگر سونے کے پھاڑ بھی اس کے قدموں میں ڈال دیئے جائیں۔ تو وہ ان کی کوئی قیمت نہیں سمجھے گا۔ اور وہ پانی کی جس کی کنوؤں اور نہروں والے مقامات پر کوئی قیمت نہیں۔ ایک بے آب و گیاہ جنگل میں لاکھوں من سونے سے زیادہ قیمتی ہو جائے گا۔ اسی طرح روٹی سستی چیز ہے۔ اور کپڑا مہنگا۔ لیکن اگر کوئی شخص کسی ایسے مقام پر ہو۔ جہاں

روٹی میسر نہ آ سکے۔ تو اسے قیمتی سے قیمتی کپڑوں کے ٹھکانوں سے لادیا جائے۔ اور کجواب و اطلس کے ڈھیر اس کے پاس لگا دیئے جائیں۔ تو ان کی اس کے نزدیک کوئی حقیقت نہ ہوگی۔ اس لئے کہ گوار زانی کے لحاظ سے روٹی کی قیمت کم ہے۔ مگر خاص موقعہ پر نقد ان کے باعث اس کی قیمت میں بہت اضافہ ہو جائے گا۔ تو خاص حالات کے ماتحت اور خاص اوقات میں مختلف اشیاء کی قیمتوں میں بھی بہت سافرق ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص سر پہ ٹوپی یا پگڑی کی بجائے بونی رکھ لے۔ اور پاؤں میں ٹوپی یا پگڑی باندھ لے۔ تو اگر اس خیال کو ذہن سے نکال دیا جائے کہ دنیا کا عام دستور کیا ہے۔ اور لوگ ان چیزوں کو کس طرح استعمال کرنے کے عادی ہیں۔ تو مانی۔ دینی یا اخلاقی طور پر اس میں کوئی نقصان نظر نہیں آتا۔ مگر پھر بھی دنیا میں کتنے لوگ ہیں۔ جو ایسا کرنے کے لئے طیار ہیں کہ پاؤں میں چمچا بول کی بجائے رومی ٹوپی یا پگڑی باندھ لیں۔ لیکن اگر ان سے پوچھا جائے کہ ایسا کرنے میں نقصان کیا ہے۔ تو اس کا بھی کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ سوائے اس کے کہ یہ قوم کار و اج نہیں۔ اور عام نقطہ نگاہ یہی ہے۔ کہ ٹوپی یا پگڑی سر کے لئے ہے۔ اور جو ٹی پاؤں کے لئے۔ اور اس کے خلاف کرنا ایک لغو فعل ہے۔ اور لغو کام کرنے والے کا وقت ضائع ہوتا ہے۔ پس یوں تو اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔ لیکن اگر اسے لغو فعل بنا کر دیکھیں گے۔ تو اس کے مضمرات صاف طور پر نظر آجائیں گے۔ کیونکہ اگر اسی طرح سارے لوگوں کو جائز قرار دے لیا جائے۔ تو انسان کی زندگی نہ دبلا ہو جائے۔

اسی طرح سپاہی کو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ وہ خاص قسم کا لباس پہننے پر مجبور ہے۔ اب اگر کوئی پوچھے۔ کہ اس کی کیا ضرورت ہے۔ اگر یہ کہا جائے۔ کہ خاص قسم کے لباس سے آدمی بہادر بنتا ہے۔ یا اس سے زیادہ حب وطن پیدا ہوتی ہے۔ یا پھر یہ کہ اس سے زیادہ جتنی پیدا ہوتی ہے۔ تو یہ بات بالکل غلط ہے

کیونکہ جرم سپاہی اپنے لباس میں ہی چست بہادر اور
محب وطن ہوتا ہے۔ انگریز اپنے میں۔ اور فرانسیسی
اپنے میں۔ حالانکہ ان لباسوں میں بہت بڑا فرق ہے۔
ہر ایک کی وضع قطع جداگانہ ہے۔ پھر سوال ہوتا ہے
کہ لباسوں میں ایسے امتیازات کا کیا فائدہ ہے۔ جب
جرم سپاہی کے اندر اپنے لباس میں ہی تمام ضروری
خصوصیات موجود رہتی ہیں۔ اور انگریز سپاہی کے اندر
اپنے لباس میں۔ اور جب مختلف لباسوں کے ہوتے
ہوئے بھی سپاہیوں کے اندر بہادری۔ حب وطن اور
جستی پیدا ہو سکتی ہے۔ تو پھر سپاہیوں کے لباس کے
متعلق اس قدر پابندی کیوں کی جاتی ہے ؟

اس نقطہ نگاہ سے تو یہ پابندی بے شک بے فائدہ
ہے۔ لیکن اگر اسے دوسرے نقطہ نگاہ سے دیکھا
جائے۔ جو یہ ہے۔ کہ ایک طرح کے لباس اور حرکات
سے قوموں کے اندر قلبی اتحاد اور یکجا نکت پیدا ہوتی
ہے۔ تو اس کا بہت بڑا فائدہ نظر آجائیگا۔ پھر یہ بھی
فائدہ ہے۔ کہ ایک قسم کے لباس سے سپاہی اپنے ساتھیوں
کو پہچان سکتا ہے۔ لیکن اگر لباس نہ ہو۔ تو دوست دشمن
میں تمیزی نہ ہو سکے گی۔ لڑائی میں اتنا موقع نہیں ہوتا۔
کہ شکلیں پہچان پہچان کر حملہ کیا جائے۔ وہاں تو رگول
پر ہی حملہ ہو سکتا ہے۔ پس اگر لباس میں ایک رنگی
کو اس نقطہ نگاہ سے دیکھیں۔ کہ اس کے بغیر دوست دشمن
میں تمیزی نہیں ہو سکتی۔ اور میں ممکن ہے۔ دشمن پر حملہ
کر نیگے بجائے اپنے آدمیوں پر ہی حملے ہوتے رہیں۔
تو یہی لباس نہایت ضروری چیز نظر آئیگی ؟

اسی طرح فوجوں میں باقاعدہ ہاتھ اٹھا کر سلام
کرنے کا دستور ہے۔ حالانکہ ایسا کرنے کے بغیر
بھی کام چل سکتا ہے۔ اور اس کے بغیر بھی سپاہی
کے اندر اطاعت کا مادہ پیدا ہو سکتا ہے۔ لیکن بات
یہ ہے۔ کہ ظاہر طور پر بھی جب تک یاد تازہ نہ ہوتی
رہے۔ اور جب تک قلب کو ظاہری حرکات سے مدد
نہ دی جائے۔ وہ مردہ ہو جاتا ہے۔ ہمارا ایک کتنا
گہرا دوست ہو۔ لیکن اگر متواتر کئی سال تک اسے نہ
دیکھیں۔ تو اس کی شکل پہچانی شکل ہو جائے گی۔

کیونکہ یہ ایک فطری بات ہے۔ کہ آہستہ آہستہ پہلے
نقوش انسان کے دل سے محو ہو جاتے ہیں۔ ہر شخص
اپنے گھر میں دیکھے۔ لڑکیوں کی شادی کی جاتی ہے
تو وہ رخصت ہوتے وقت روتی ہیں۔ لیکن ایک سال
کے بعد انہیں خاوند کے گھر میں دیکھا جائے۔ تو وہ
ایسی ہی خوش و خرم نظر آئیں گی۔ جیسے والدین کے
گھر میں بچیں۔ بلکہ بسا اوقات اس سے بھی زیادہ
خوش ہوئیگی۔ کیونکہ کچھ عرصہ تک جدا رہنے کے
باعث وہ پہلی باتیں اور چیزیں بھول گئیں۔ اور اب
ان کی جدائی موجب تکلیف نہیں رہی۔ اسی طرح
دوستوں کو دیکھو۔ ایک دوسرے سے جدا ہوتے وقت
چہروں پر غم کے آثار ہوتے ہیں۔ بلکہ جو لوگ جذبات
کے زیادہ مطیع یا کمزور دل ہوتے ہیں۔ ان کی آنکھوں
میں آنسو بھی آجاتے ہیں۔ لیکن بسا اوقات ایسا ہوتا
ہے۔ کہ گھاڑی چلنے کے بعد ارد گرد کے نظاروں
سے متاثر ہو کر پہلی حالت بالکل بدل جاتی ہے۔ اور
دل میں اور ہی خیالات شروع ہو جاتے ہیں۔ گویا
پندرہ منٹ کا وقفہ ہی پہلی حالت کو بدل ڈالتا ہے۔
تو یاد رکھنا چاہیے۔ کہ انسانی جذبات اس وقت تک
سر سبز نہیں رہ سکتے۔ جب تک کہ باہر کے تعلقات
کے پانی کا چھینٹا وقتاً فوقتاً نہ چرتا رہے۔ اس طرح
فرمانبرداری اگرچہ دل سے تعلق رکھتی ہے۔ لیکن اگر
بار بار یاد نہ دلایا جائے۔ اور اس کی عادت نہ ڈالی
جائے۔ تو بھول جاتی ہے۔ پس یہ اپنے اندر ایک
خاص غرض اور فائدہ رکھتا ہے۔ لیکن کوئی یہ بھی
کہہ سکتا ہے۔ کہ فوجی اسلام کے لئے ہاتھ سے
ہی اشارے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر کوئی پاؤں ملا
کر سلام کر دے۔ تو اس میں کیا حرج ہے۔ لیکن یاد
رکھنے کے لئے جب مختلف ذرائع ہوں۔ تو یاد نہیں
رہ سکتا۔ یاد رکھنے کا ایک ہی ذریعہ ہو سکتا ہے۔

جب بے انتہاء ذرائع ہوں۔ تو پھر الجھن پیدا ہو جاتی
ہے۔ اگر روٹی کا لفظ صرف روٹی کے لئے ہی بولا
جائے۔ تو اس کا نام سنتے ہی ہر شخص سمجھ جائیگا۔
کہ اس سے کیا مراد ہے۔ لیکن اگر پانی۔ کنواں۔ جنگل
درخت وغیرہ کئی ایک چیزوں کو روٹی کا نام دیدیا جائے
تو کوئی بھی یاد نہیں رکھ سکے گا۔ اور یہ شدید نشانِ خواب
من از کثرت تعبیر یا کا معاملہ ہو جائے گا۔ پس جب
بہت سے اشارے ہوں۔ تو انسان بھول جاتا ہے۔
اس لئے ضروری ہے۔ کہ اشارے محدود ہوں۔ اور
یہ نہ ہو۔ کہ ہر شخص اپنے لئے جو چاہے تجویز کر لے۔
پس یہ ظاہری حرکات و سکنات بھی اپنے اندر خاص فوائد
اسی طرح روحانی تشریح میں بھی بعض احکام ایسے ہوتے
ہیں۔ جن کا بظاہر اور براہ راست کوئی خاص فائدہ نظر نہیں
آتا۔ مگر بالواسطہ طور پر خاص مواقع پر ان کے فوائد بہت ہوتے
ہیں۔ عام حالات کے ماتحت تو وہ بے حقیقت چیز ہوتے ہیں۔
مگر خاص حالات اور اغراض کی بناء پر ان کے فوائد بہت
ہوتے ہیں۔

اگر کوئی شخص کہے۔ کہ مجلس میں کوئی شخص بیٹھا
ہو۔ کوئی لیٹا ہو۔ تو اس میں کیا حرج ہے۔ تو ہم اسے
کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اور بظاہر اس میں کوئی حرج نظر بھی
نہیں آتا۔ لیکن اس پر عمل کر کے دیکھو تو یہ بات خود بخود
طبائع پر ناگوار گذرے گی۔ شرفاء کی مجلس میں کوئی شخص
جنوب کی طرف پاؤں کر کے لیٹا ہو۔ اور کوئی شمال کی
طرف۔ کسی کا منہ مشرق کی طرف ہو۔ اور کسی کی پیٹھ۔
تو ہر شخص اسے ناپسند کرے گا۔ ایسی باتوں کا مخفی اثر
انسان کی طبائع پر ہوتا ہے۔ اور تشدد و براگندگی
پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ جب ظاہری باتوں میں اتحاد نہ
ہو۔ تو باطنی امور میں بھی نہیں رہ سکتا۔ اسی واسطے
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے۔ کہ
نماز میں صفیں ٹیڑھی نہیں ہونی چاہیے۔ اور کندھے
سے کندھا ملانے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ اگر ظاہری اتحاد
نہ ہو۔ تو دلوں میں بھی براگندگی پیدا ہو جاتی ہے۔

اب اگر کوئی کہے۔ کہ اس طرح ملکر کھڑا ہونا کیا فضول
بات ہے۔ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر کھڑا ہونا چاہیے
تا ہوا گذر سکے۔ تو بظاہر تو یہ معقول بات معلوم
ہوتی ہے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
اسے براگندگی کا موجب فرمایا ہے۔ کیونکہ ظاہری
اتحاد باطنی اتحاد کا ذریعہ ہے۔ انگریزوں کو دیکھو
اگرچہ اب تو حالات بدلتے جاتے ہیں۔ مگر پھر بھی ایک

انگریزی دینی جوئی سے سخت نفرت کرتا ہے۔ مگر بوٹ سے نہیں۔ اگر ایک کالا کلونا آدمی سر پہ بیٹ رکھ کر اور باقاعدہ سوٹ بوٹ پہن کر انگریز کے سامنے جائے تو وہ نہایت تپاک سے اس سے شیک ہینڈ مصافحہ کرے گا۔ اور اسے دیکھ کر اس کی باچھیں کھل جائیں گی کیونکہ وہ سمجھے گا۔ یہ ہمارا اپنا آدمی ہے۔ لیکن اگر ایک براق کی طرح سفید اور خوبصورت شخص تیس بیٹیس گز کا سندھی پاجامہ پہن کر اور بڑی سی نوکدار جوئی پہن کر جائے۔ تو انگریز اسے دیکھتے ہی پیچھے ہٹ جائے گا۔ اور خواہ ایسا لباس پہننے والے کے اندر انگریزیت پوری طرح گھر کر چکی ہو۔ لیکن ایک انگریز اسے مل کر خوش نہیں ہوگا۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ ظاہر کا اثر بہت بڑا ہوتا ہے۔ اور بعض حدود کے اندر ظواہر کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔ جیسے دودھ کو محفوظ رکھنے کے لئے برتن کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ حالانکہ وہ اصل چیز نہیں۔ اصل دودھ ہی ہے لیکن وہ برتن کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور یقیناً فاسخ ہو جائے گا۔

اسی طرح شریعت کے بھی بعض ظاہری احکام ہیں اور نظام کو قائم رکھنے کے لئے ان کی پابندی ضروری ہوتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ڈاڑھی منڈانے کا ردواج تھا۔ مگر آپ نے مسلمانوں کو ڈاڑھی رکھنے کا حکم دیا۔ اس کے آپ نے کوئی ایسے فوائد بیان نہیں کئے۔ تو بظاہر نظر آتے ہوں۔ بلکہ صرف یہ فرمایا۔ کہ دوسرے منڈاتے ہیں۔ اس لئے تم رکھو۔ اس کے علاوہ آپ نے کوئی ایسی بات نہیں بیان فرمائی۔ کہ ہم کہیں۔ اس کو مد نظر رکھتے ہوئے اس حکم کی پابندی اس زمانہ میں ضروری نہیں۔ لیکن اس کا ظاہری فائدہ یہ ہے۔ کہ اس سے ایک مسلمان دوسرے کو دیکھتے ہی پہچان لیتا ہے۔ گویا یہ بطور نشان اور علامت کے ہے۔ پھر اس کے علاوہ یہ فائدہ بھی ہے کہ ظاہری مشارکت قلبی اتحاد کی تقویت کا موجب ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی ایسے احکام ہیں۔ مثلاً سلام علیکم کہنا ہے۔ یہ صرف دعا ہی نہیں ہے۔ اگر یہ

صرف دعائیہ فقرہ ہی ہو۔ تو اردو یا پنجابی یا اپنی اپنی مادری زبان میں اس سے بہتر دعائیہ فقرات کہے جاسکتے ہیں۔ لیکن اس کے بغیر اسلامی نشانہ پورا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کے بغیر ظاہری مشارکت کا سامان پورا نہیں ہو سکتا۔ اور ظاہری اتحاد سے باطن کا جو اتحاد پیدا ہوتا ہے۔ وہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ پس خاص لفظوں میں دعا کا حکم اوسط دیا۔ کہ تاساری دنیا کے مسلمانوں میں اشتراک پیدا ہو۔ اور چینی۔ تبتی۔ کشمیری۔ سب میں ایک ہی مشترک جملہ ہو۔ اگر کوئی شخص اپنی زبان میں ہی دوسرے کو دعا دے۔ تو بظاہر تو یہ ایک غیر اہم بات ہے۔ لیکن باطن میں اس کا اثر بہت بڑا ہوگا۔

تجربہ ہے۔ کہ ہماری جماعت کے بعض لوگ مجلس شوریٰ کے موقع پر تو بہت زور شور سے یہ بات پیش کرتے ہیں۔ کہ ہمارے بچوں کو اسلامی شعار کا پابند ہونا چاہیے۔ مگر حالت یہ ہے۔ کہ ان کے اپنے گھروں میں یہ بات نہیں۔ کئی سال سے اہل بیت پر زور دیا جا رہا تھا۔ کہ احمدیہ پوسٹل لاہور میں رہنے والوں کے لئے ڈاڑھی کا رکھنا ضروری قرار دیا جانا چاہیے۔ اور وہاں رہنے والوں کو مجبور کرنا چاہیے۔ کہ وہ ڈاڑھی رکھیں۔ لیکن جب اس پر عملدرآمد شروع کیا گیا۔ تو میں یہ معلوم کر کے حیران ہو گیا ہوں۔ کہ وہ لوگ جن کے وہاں ڈاڑھی رکھنے کے متعلق وہ الفاظ جو وہ مجلس شوریٰ میں اپنے منہ سے نکالتے رہے ہیں۔ ابھی تک میرے کانوں میں گونج رہے ہیں اپنے بچوں کو وہاں سے نکال کر لے گئے۔

ایک دفعہ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا۔ کہ کیا ڈاڑھی میں اسلام ہے۔ میں نے کہا ہرگز نہیں۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں یقیناً اسلام ہے۔ مجھے انوس ہے۔ کہ جن لوگوں نے مجلس شوریٰ میں اس بات پر درود یا خطا۔ علاوہ خود ہی اپنے فیصلہ سے کھسک گئے۔ مجھے ایک شخص نے یہ بھی کہا۔ کہ آپ لاہور کے پوسٹل کو لئے پھرتے ہیں حالانکہ یہاں بھی بعض لوگ ڈاڑھی نہیں رکھتے۔

اور جو یہاں نہیں رکھتے۔ وہ وہاں کیا رکھیں گے۔ مجھے تو اس کے متعلق علم نہیں۔ اور میرے ذہن میں تو ایسا لڑکا کوئی نہیں۔ لیکن اگر کوئی ہو۔ تو یہ بھی بہت افسوس کی بات ہے۔ یہاں ڈاڑھی رکھنے کی عادت ڈالنی چاہیے۔ کیونکہ اپنی سوسائٹی میں ایک عادت ڈالنا بہت آسان ہوتا ہے۔ مگر دوسری سوسائٹی میں جا کر مشکل ہو جاتا ہے۔

میں نے یہ بھی دیکھا ہے۔ کہ بعض لوگ کے جب جوانی کے قریب آتے ہیں۔ تو ان کی شکل دیکھ کر خیال ہوتا ہے۔ کہ شاید ڈاڑھی منڈی ہوتی ہے۔ کچھ عرصہ ہوا میں نے ایک لڑکے کو دیکھ کر یہ خیال کیا۔ اور جب ہیڈ ماسٹر سے کہا گیا۔ کہ لڑکوں کو ڈاڑھی رکھنے کی تاکید کریں۔ تو انہوں نے کہا۔ مجھے تو ایسا کوئی لڑکا معلوم نہیں۔ جو ڈاڑھی منڈاتا ہو۔ میں نے اسی لڑکے کا نام بتایا۔ اور انہوں نے جب تحقیقات کی۔ تو معلوم ہوا اسے ابھی ڈاڑھی آئی ہی نہیں۔ تو ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ اور ممکن ہے۔ میرے پاس شکایت کرنے والے کو بھی ایسا ہی دھوکا لگا ہو۔ جیسا مجھے لگ گیا تھا۔ لیکن اگر یہ صحیح ہے۔ تو ہیڈ ماسٹروں اور اساتذہ کا فرض ہے۔ کہ اس بات کا خاص خیال رکھیں کہ طالب علم شعائر اسلامی کی پابندی کریں۔ کیونکہ اس سے یک جہتی پیدا ہوتی ہے۔

میں امید کرتا ہوں۔ کہ ذمہ دار افسر اس بات کا خیال رکھیں گے۔ اور جماعت کے احباب سے بھی امید ہے۔ کہ اپنے بچوں کو شعائر اسلامی کا پابند بنانے کی پوری پوری کوشش کریں گے۔ یہ خیال نہیں کرنا چاہیے۔ کہ ان باتوں کا فائدہ کیا ہے۔ یہی فائدہ بتانے کے لئے میں نے یہ لمبی چوڑی تہید بیان کی ہے اور بتایا ہے۔ کہ ہر چیز کے فائدے الگ الگ اور موقع کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ بعض چیزوں کو بچا بتا ہر ایک کا کام نہیں۔ اہل نظر ہی ان کی قدر و قیمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ اور اس لئے ان کا حکم نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ایک ڈاکٹر ایک نسخہ دیتا ہے۔ اور کہہ دیتا ہے

کہ دو ایماں ایسی نسبت سے ملائی جائیں۔ جو چیز دو قطر
 لکھی ہے۔ اس کے دو ہی قطرے ڈالے جائیں۔ تین
 نہ ہوں۔ وہ اس کی کوئی وجہ نہیں بنا سکتا۔ کہ کیوں
 ایسا کیا جائے۔ لیکن وہ کہتا ہے۔ میرا سا ہمارا سال کا
 تجربہ یہی کہتا ہے۔ کہ اس طرح فائدہ ہو گا۔ اور ہم اگر
 اس ڈاکٹر کو تجربہ کار مانتے ہیں۔ تو اس کی بات کو ضرور
 قابل عمل بھی سمجھتے ہیں۔ اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔
 خواہ وہ ہماری عقل کے خلاف ہی ہو۔ پھر کس قدر فوسل
 کا مقام ہو گا۔ کہ ہم ایک ڈاکٹر کی بات تو بغیر کسی عقلی
 دلیل کے ماننے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن خاتم النبیین
 صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کسی بات کے متعلق پوچھیں۔ کہ
 اس کا کیا فائدہ ہے۔ ایک معمولی حیثیت کے ڈاکٹر
 کی بات تو ہم مان لیں۔ لیکن نبیوں کے سوا کی بات کے
 متعلق دلائل پوچھیں۔ اس کے معنی یہ ہونگے۔ کہ ہمارے
 اندر اطاعت کی روح نہیں ہے۔ ورنہ بغیر کسی فائدہ کا
 خیال کس سے مان لیتے۔

ہیں احباب کو چاہیے۔ کہ اپنے بچوں کو شعائر
 اسلامی کے مطابق زندگی بسر کرنے کا عادی بنائیں۔
 کیا یہ کوئی کم فائدہ ہے۔ کہ ساری دنیا ایک طرف جا رہی
 ہے۔ اور ہم کہتے ہیں۔ ہم اس طرف چلیں گے جس طرف
 محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے جانا چاہتے ہیں
 اس سے دنیا پر کتنا رعب پڑے گا۔ دنیا رنگا رنگ کی
 دلچسپیوں اور ترغیبات سے اپنی طرف کھینچ رہی ہو۔
 مگر ہم میں سے ہر ایک یہی کہے۔ کہ میں اس راستہ پر
 جاؤں گا۔ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تجویز کردہ
 ہے۔ تو یہ دنیا کہے گی۔ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کوئی بات نہیں کرنی چاہیے۔
 کیونکہ اس کے متبعین اس کے گردیدہ اور جان نثار ہیں۔
 لیکن جو شخص فائدے سے گن کر مانتا ہے۔ وہ دراصل مانتا
 نہیں۔ مانتا وہی ہے۔ جو ایک دفعہ سمجھ کر کہ میں جس کی
 اطاعت اختیار کر رہا ہوں۔ وہ خدا تعالیٰ کی طرف
 سے ہے۔ آئندہ کے لئے عہد کر لیتا ہے۔ کہ جو نیک
 بات یہ کہے گا۔ اُسے مانوں گا۔ اور اطاعت کی اس
 روح کو مد نظر رکھتے ہوئے سوائے ان صورتوں کے کہ

رضاء الاسلام نہیں تاہم ان میں میر تقی علی پر بڑا بڑا شہر ہے چھو اگر فاروق نزل قاضیان سے شائع کیا

گورنمنٹ کے کسی حکم یا حکم سے ڈاڑھی پر کوئی پابندی
 عائد ہو جائے۔ سب کو ڈاڑھی رکھنی چاہیے۔ ہاں
 اس صورت میں ڈاڑھی نہ رکھنے کی اجازت ہو سکتی ہے
 کیونکہ سرکاری ملازمتوں کے لحاظ سے بھی ہمیں جماعت
 کو کمزور نہیں ہونے دینا چاہیے۔ مگر یہ ایسی ہی صورت
 ہے۔ جیسے بیماری کی حالت میں شراب کا استعمال
 جائز ہے۔ اس لئے اس حالت والے کو چھوڑ کر باقی
 سب دوستوں کو ڈاڑھی رکھنی چاہیے۔ اور اپنے بچوں
 کی بھی نگرانی کرنی چاہیے۔ کہ وہ شعائر اسلامی کی پابندی
 کرنے والے ہوں۔ اور اگر وہ نہ مانیں۔ تو ان کو خرچ بند
 کر دیا جائے۔ اُسے کوئی صحیح الدماغ انسان جبر نہیں
 کہہ سکتا۔ کیونکہ اگر کسی کا بچہ کہے۔ کہ میں مرچیں کھاتا ہوں
 تو وہ اسے نہیں کھانے دیکھا۔ اگر وہ جبر نہیں۔ تو اسے
 کس طرح جبر کہا جاسکتا ہے۔ ہم اپنے بچوں کے متعلق
 ایسا کر سکتے ہیں۔ ہاں دوسرے کے لئے نہیں۔ جیسے
 کہ ہمارے کو کسی فعل سے باز رہنے پر مجبور نہیں کیا جا
 سکتا۔ مگر اپنے بھائی کو کیا جاسکتا ہے۔ اور اس کا
 نام جبر نہیں۔ بلکہ نظام کی پابندی ہے۔ اور نظام
 کی پابندی جبر نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے اندر بڑے بڑے
 فوائد ہیں۔ اور اس کے بغیر دنیا میں گزارہ ہی نہیں ہو
 سکتا۔ (الفضل)

بزدلانہ حملہ

خلان بہادر شیخ عبدالعزیز صاحب سپرنٹنڈنٹ
 سی۔ آئی۔ ڈی پولیس برجن لوگوں نے دس ہندو
 گولیاں فیر کیں۔ یقیناً وہ لوگ انتہا درجہ کے بزدل
 اور اس نیک نام افسر کی شہرت اور لیاقت اور
 جس کا گزاری کے سبب سے آتش حسد سے جگر
 شیخ صاحب کے دشمن ہونگے۔ افسوس ہے کہ تعصب
 نے ان کو رعین لوگوں کو اندھا بنا کر ایسے کار گزار
 افسر کی تائید و حمایت کرنے کی جگہ ان کا دشمن
 بنادیا۔ دسہرہ کی تقریب پر بتواتر دو تین سال سے میل
 ہندو مسلمان تماشائی ہر سال مقتول و مجروح ہوتے

تھے۔ اور ہم چلانے والے سنگدل کا پتہ نہیں لگتا تھا۔ کہ
 وہ ظالم ناکردہ گناہ ہندو مسلمانوں کے خون کا پیاسا کیوں
 یہ ظانصاحب ہی کی ذات کا طفیل ہے کہ ان کی بدولت
 ہر سال مقتول و مجروح ہوئیے مخلوق خدا کی۔ مقدمہ
 سازش لاہور میں نہایت موٹنگانی کے ساتھ سازش اور
 ہم بنانے والوں کا سراغ نکالا۔ ورنہ خدا جانے کتنے لوگ
 ان کی ہم بازی سے ہلاک ہوتے۔ ایسے قابل لائق افسر
 پر حملہ کرنا جو کہ مخلوق خدا کو ظالم اور سفاکوں سے محفوظ رکھنے

شریٹ لاد

عقوبتوں کے
 اعلیٰ قسم فولاد اور قیمتی
 ادویہ کا تجزیہ کارڈاکٹر
 کے مشورہ سے کیمیائی طریق پر بنایا ہوا مفید
 مرکب ہے
 تندرست اور مضبوط بچہ پیدا کرتا
 شربت لاد ہے ماں کا دودھ بڑھا کر بچے
 کو غیر دودھ سے محفوظ رکھتا ہے
 مرض اٹھانے سے نجات دلا کر مایوس
 ماں کی گود بھر دیتا ہے
 ناطا قتی دور کر کے چہرہ پر بخشنی
 شربت لاد لاتا اور کئی بیشی فیض کو درست
 کرتا ہے
 شربت لاد تھیریاکاتیر پید ف علاج
 شربت لاد تسلیم کیا گیا ہے
 فیض عام میڈیکل ل قادیان